فہرست

☆عشق سمندر کے مسافر	ڈاکٹر شہناز مزمل	5
☆حمد باری تعالیٰ		13
☆نعت رسول مقبول ﷺ		14

غزلیں:

☆ مجھے وجود سے باہر وہی نکالے گا	17
☆اِس راز سے تو پردہ ابھی تک اُٹھا نہیں	18
☆مرے یقین کو تو صورت گماں نہ سمجھ	20
☆خوف انجانا رگ و پے میں سرایت کر گیا	21
☆زندگی کرب مسلسل اک امتحاں	22
☆ہمیں بھی کب گوارہ ہر ستم تھا	24
☆اب تو مٹی کے گھروندے بھی بنانا مشکل	25
☆ جبکہ خود سے بچھڑ گئے ہیں ہم	26
☆اِس قدر پیار سے یہ کس نے پکارا مجھ کو	28
☆ آج اپنی اُڑان دیکھوں گی	29
☆ جیت سے پہلے جب بھی مات دکھائی دے	31
☆خوشبو ہو کہ سایہ ہو، کوئی خواب ہو کیا ہو	32
☆ کیسے بتلاؤں کہ اِس آنکھ نے کیا کیا دیکھا	33

☆زندگی تیرے سوالات سے ڈر لگتا ہے	34
☆کسی کا کچھ نہیں جائے گا میرے ساتھ چلنے میں	36
☆کس لئے عشق کی عاشق کو سزا دیتے ہو	37
☆ذرا میں شوق کی رفتار دیکھوں	39
☆جلتا چراغ جب سے ہوا کو تھما دیا	40
☆اب سہا جاتا نہیں تیرا وجود	41
☆سچے عاشق ہو تو پھر عشق کا چرچا نہ کرو	42
☆وہ میرے عشق کا محور تلاش کرتا ہے	43
☆وجدان ہے یا عشق ہے سوچا ہی نہیں ہے	44
☆میں اپنے اور اُس کے درمیاں اِک فاصلہ چاہوں	46
☆عاشقی کر کے ہر عاشق ہی دیوانہ ٹھہرا	47
غبارِ راہ بنی میں راہِ غبار میں ہوں	48
☆سکوتِ دشتِ وحشت سے نکل کر دیکھنا چاہوں	50
☆مجھے تم سے شکایت تو نہیں ہے	51
☆اب مسیحا کوئی کرے گا کیا	52
☆زمیں پر پاؤں رکھنا چاہتی ہوں	53
☆بات کہہ کر مکر گیا ہے وہ	54
☆ہمیشہ حوصلہ کرتی رہی ہوں	55
☆یہ اور بات ساتھ ہم شامل نہیں رہے	57
☆جنوں ہے، شوق ہے، جذبہ ہے، نامعلوم ڈر بھی ہے	58
☆بدن میں ایک عجب سی تھکان رکھ دی ہے	59
☆ہر گھڑی کیسے بدل لیتا ہے تیور چہرہ	60
☆آئینوں میں حیرتیں بن کر اُترا کون تھا	61

☆دُور تک ہے سناٹا کیوں ملا نہیں کوئی 62
☆غیر نے اپنا لیا اُن کی وفا کیسی رہی 63
☆دشمن کو غیر جان کے کار زاں نہیں کیا 64
☆اِک سفر اور کر کے دیکھتے ہیں 66
☆اپنی ذات کو اپنے اندر اپنے آپ میں سمیٹا میں نے 67
☆کھو گئے وقت کی اِس دوڑ میں کچھ کب پایا 68
☆بتا کے گردشِ دوراں جو انتہا کی تھی 69
☆دل میرا پھر سے ہے پاگل آج اِک مدت کے بعد 70
☆اُدھورے خواب کی تعبیر بھی لکھی گئی ہے 72
☆وہ ہے سقراط نہ سقراط کے ثانی جیسا 73
☆آس جینے کی کیوں دلاتے ہو 74
☆آزما پھر سے اِک بار ذرا 75
☆بادل سونی دھرتی پر اب گرجیں گے اور برسیں گے 77
☆ہوا خاموش تھی اور پھول بکھر گئے کیسے 79
☆عمر بھر یہی سلسلہ دیکھا 81
☆مجھے ہر ہر قدم پر ٹوکتی ہے 82
☆مجھے کسی سے نہیں خود سے ہی شکایت ہے 84
☆بڑھا کر اُلجھنیں اِک فیصلہ ہونے نہیں دیتا 85
☆بعد مدت کے پلٹ کے جو دیکھا ہے خود کو 87
☆ہجر کا یہ لمحہ کیوں آج مجھ پر بھاری ہے 88
☆چیخنے کی مری آواز کوئی بھی نہ سنے 89
☆ایک الاؤ جلتا ہے اِک بجھتا ہے 90
☆مرے نصیب میں لکھی کبھی سحر ہوگی 91

☆ کچھ اور بڑھنے لگی انتظار کی وحشت 92
☆ رنج و الم میں ڈوب کر کیا حال ہے بنا لیا 93
☆ لگاؤ گھاؤ نئے چارہ گر کی بات کرو 95
☆ یقیں کے اور گماں کے درمیاں ہوں 96
☆ ہوا میں مجھ کو اُڑنا آ گیا ہے 98
☆ دوستی کا جنہیں احساس دلایا جائے 100
☆ دستکیں شب بھر ہوا دیتی رہی 101
☆ اِک شکست خوردہ کی آؤ بہ بھی دیکھو 102
☆ جلا کر اِک دیا رکھا ہے 103
☆ اُبھر کر ڈوب جانا چاہتے ہیں 105
☆ مجھے اب کیسے سوچا جا رہا ہے 107
☆ دیدۂ نم کو مرے اور بھی بینائی دے 108
☆ ذہن در پیچے آ کر کون سجا جاتا ہے 109
☆ کب ملا کس کو ملا ژرف نگاہی کا صلہ 111
☆ کبھی منزلیں بدلنا کبھی راستوں میں آنا 112
☆ ہم سے مت کوئی رابطہ رکھنا 113

حصہ نظم

☆ اُداس ہمسفر 117
☆ تنہائی کا دُکھ 120
☆ اکیلا مسافر 121
☆ اُداس لمحے 122
☆ شہرِ بدگمانی 124
☆ خواب گر 126

سچے عاشق ہو تو پھر عشق کا چرچا نہ کرو
کیا ملے گا تمہیں اس عشق میں سوچا نہ کرو

اِدھر اُدھر دیکھنے اور سوچنے کی فرصت ہی کہاں ملتی ہے اور عشق الاؤ جلتا بجھتا رہتا ہے۔ منزل کے رستے کی ہوا اس کو بھڑکاتی رہتی ہے۔ عاشق اس سے لطف اندوز ہو کے کہتا ہے:

اپنے آپ میں کھونے دے اب
عشق تماشا ہونے دے اب

عشق تماشا سے عشق سمندر تک پہنچنے کا سفر بہت طویل ہے۔ "بعد تیرے" "نورِ کل" کو پایا تو "کھلتی کلیاں مہکے پھول" زادِ راہ بنے اور اب "عشق سمندر" میں کود گئی ہوں۔ اس کتاب کا پہلا حصہ اس میں غوطہ زنی کے بعد کا ہے۔ دوسرا حصہ غمِ ہجراں کی نظموں پر مشتمل ہے۔ اس سفر نے بہت تھکا دیا ہے لیکن ہمت نہیں ٹوٹی۔ جذبے سرد نہیں پڑے۔ عشق سمندر بے حد وسیع ہے۔ کبھی تیرتی ہوں کبھی رُک جاتی ہوں۔ کچھ دیر اُبھر کر ساحل پر موجود آپ لوگوں کی جانب دیکھ رہی ہوں کہ میرا عشق سمندر میں اُترنے کا تجربہ آپ کو کیسا لگا......

کھڑی ہوں عشق سمندر کے میں کنارے پر
سفینہ موجوں سے باہر وہی اُچھالے گا

ڈاکٹر شہناز مزمل
چیئر پرسن ادب سرائے
F-125۔ ماڈل ٹاؤن لاہور
موبائل: 0300-42756932

عشق سمندر کے مسافر

سفرِ عشق ایک کٹھن مگر دلچسپ اور حیران کر دینے والا سفر ہے۔ اِس کے ہر موڑ پر اِک نئے تجربے سے گزرنا پڑتا ہے۔ دیدہ حیراں اور چشمِ پُرنم کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ آگے کیا ہوگا؟ یہ آنکھ کیا دیکھے گی اور دنیا کو کیا دکھائے گی کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ تو مسافر کی تلاش پر منحصر ہے کہ وہ کن منزلوں کی تلاش میں ہے۔ سیدھے رستے پسند ہیں یا پگڈنڈیاں، نشانِ منزل یا منزل۔ عشق کے راہی نشانِ منزل میں گم رہنا چاہتے ہیں۔ منزل بھی اُنہیں سنگِ میل نظر آتی ہے۔ وہ اِس سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ اُن کی مثال ایک دریا کی سی ہے جو کبھی سبک رفتار اور کبھی طوفان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آخر کار اُسے سمندر میں گرنا ہوتا ہے۔ عاشق دریائے عشق میں سفر کرتا ہوا عشق سمندر میں جا گرتا ہے جہاں وہ گوہرِ بےبہا کی تلاش میں اُبھرتا اور ڈوبتا رہتا ہے اور آواز آتی ہے:

عشق سمندر نشہ مستی
تھیا تھیا ہونے دے اب

یہ تو عاشقوں کی مستی ہے۔ جذب ہے، کیفیت ہے جو رنگ بدلتی رہتی ہے اور عشق کی گہرائی پر منحصر ہے کہ اُس کو کونسا رنگ بھاتا ہے۔ وہ تو اُس رنگ میں رنگنا چاہتا ہے جو پیا کو بھائے۔ پیا من لبھانے کیلئے اُسے کیا کیا نہیں کرنا پڑتا۔ پیار صدا دیتا رہتا ہے۔ یہ صدا دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ عاشق سب کچھ بھول کر عشق کی وادی میں اُتر جاتا ہے۔ خوشی سے سفرِ عشق پر نکلنے والا مسافر یقین کے سہارے دوڑتا چلا جاتا ہے اور کہتا ہے:

کیسے بتلاؤں کہ اِس آنکھ نے کیا کیا دیکھا
روز عاشق نے نیا عشق تماشا دیکھا

یہ آگ بجھتی نہیں بھڑکتی چلی جاتی ہے کیونکہ تلاش کا عمل مکمل نہیں ہو پاتا اور یہ ٹھیک ہے:

☆کہانی کی تلاش 128
☆دھرتی ماں کی کروٹ 130
☆زلزلہ 132
☆ایک سوچ 133
☆خاموشی کی آواز 134
☆گماں کا جادوگر 136
☆بھلانا اتنا مشکل ہے 137
☆خودکش حملوں کو دیکھ کر 139
☆ماں 144
☆بابل، پیا، ساس اور ماں 146

عبدالستار ایدھی

ملک و ملت کو ہے پیارا
ایدھی ہے آنکھوں کا تارا
سچے سچے جذبوں جیسا
من مندر کے سپنوں جیسا
کام انوکھے کرنے والا
موت سے ہر دم لڑنے والا
طوفانوں سے کب گھبرایا
ہر مشکل سے جا ٹکرایا
رُوکھی سوکھی کھاتا ہے وہ
قریہ قریہ جاتا ہے وہ
گہوارے بھی بنواتا ہے
ایمبولینس بھی بھجواتا ہے
دل میں اُس کے درد بھرا ہے
کوئی نہ لگتا اُس کو بُرا ہے
چھینکے بچے لے کر آئے
اور اپنے سینے سے لگائے
ملک میں کوئی مشکل آئے
ہاتھوں اِس کے حل ہو جائے
مل کر سب کرتے ہیں دُعائیں
ایدھی جیسے ہم بن جائیں

ڈاکٹر شہناز مزمل
چیئرپرسن: ادب سرائے
F-125 ماڈل ٹاؤن لاہور
موبائل: 0300-4275692

کھڑی ہوں عشق سمندر کے میں کنارے پر
سفینہ موجوں سے باہر وہی اُچھالے گا

اُداس ہمسفر

اکیلا چھوڑنے والے
مرے ساتھی
دمِ رخصت خدا کو یہ ذرا بتلا دیا ہوتا
تو مجھ کو لے چلا ہے
میں تو راضی ہوں
مگر

یہ آبلہ پا ہم سفر میرا
کڑے لمبے سفر کو کیسے کاٹے گا
بہت سے کام اب تک نامکمل ہیں
وہ اِک بارِ گراں جو میرے کندھوں پر ہے
ہلکا کب ہوا ہے
اُسے تو ہمسفر کے ان سبک کاندھوں پہ ڈالے گا
جو پہلے بار سے جھکنے لگے ہیں
یہ مانا اُس میں ہمت حوصلہ ہے
مگر تنہا یہ سب کرنا سزا سے کم نہیں ہوگا
یوں تیرے بعد دُھوپوں میں بڑی شدت رہی ہے
ہمیشہ مجھ کو سایہ دُھوپ کے نیچے ملا ہے
وہ گوشہ گھر کا جس کو سائباں تو نے بنایا تھا
مجھے تسکین دیتا ہے
وہیں چپ چاپ بیٹھی سوچتی ہوں
مرے آنسو بھلا کیسے
جدائی کی لگائی آگ کو
ٹھنڈا کریں گے
خدا کا شکر ہے
کہ اُس کی رحمت سے
جگر گوشے مرے اب
اپنے اپنے گھر کی ٹھنڈک ہیں

میں تنہائی کی لمبی شب میں ہر لمحے
دُعائیں مانگتی ہوں
دل مرا اب
ایک شیشے بھی نازک ہو گیا ہے
پلٹ آؤ ذرا دیکھو
یہ تنہائی مجھے
آہستہ آہستہ آج کیسے ڈس رہی ہے
مسافت زندگانی کی کتنی باقی ہے
بتا دینا
کہ اب ہمت نہیں ہے مجھ میں
اذیت سہتے سہتے اِک زمانہ ہو گیا ہے

تنہائی کا دُکھ

ساکت بیٹھی دیکھ رہی ہوں
شاید میں کچھ ڈھونڈ رہی ہوں
پار اُفق کے کون چھپا ہے
میرا ساتھی بھی تو مجھ سے
دُور ہوا ہے ، روٹھ گیا ہے
بار الم کا سہتے سہتے
مدت سے چپ رہتے رہتے
چلتی پھرتی لاش کی مانند
کیسے جینا سیکھ رہی ہوں
بس رستوں کی دُھول ہوئی ہوں
تنہائی میں کھو کر اب تو
نام بھی اپنا بھول گئی ہوں

NO MUNBER NO PRINT

مدت سے چپ رہتے رہتے
چلتی پھرتی لاش کی مانند
کیسے جینا سیکھ رہی ہوں
بس رشتوں کی ڈھول ہوئی ہوں
تنہائی میں کھو کر اب تو
نام بھی اپنا بھول گئی ہوں

اکیلا مسافر

اِک نیا سوال اُبھرا ہے
کیا اکیلا کوئی نہیں رہتا؟
کیا ضروری ہے ہمسفر ہونا؟
ہمسفر ساتھ ساتھ چلتا ہے
ہمسفر راستہ بدلتا ہے
ہمسفر ساتھ چھوڑ جاتا ہے

ہمسفر بے وفا بھی ہوتا ہے
ہے جدائی اگر مقدر تو
ہمسفر کس لئے ضروری ہے
یہ تو بس سوچ کا کرشمہ ہے
ہمسفر ہے تو ہم مکمل ہیں
ہمسفر کے بنا اُدھورے ہیں
ہر کسی کو مسافتوں کے لئے
ساتھ اپنا ہی دینا پڑتا ہے
اپنے ہی ساتھ چلنا ہوتا ہے
کیوں نہ ایسا کریں کہ پہلے ہی
خود اکیلے سفر کریں آغاز
گر ہیں تنہائیاں مقدر تو
اپنی تنہائیوں کے رستے میں
اِک ردا اُوڑھ کر خموشی کی
جو سفر لکھ دیا ہے طے کر لیں

اُداس لمحے

اُداس لمحوں کو میں نے لکھا
اُداس دل کے کھلے ورق پر
اُداس دن ہیں اُداس راتیں
کسے بتاؤں تمہارے بِن میں
دوبارہ شاید نہ ہنس سکوں گی
یہ قطرہ قطرہ برستے آنسو
تمہاری فرقت کی تیز لُو کے
چراغ کیسے بجھا سکوں گی
میں کیسے منظر سجا سکوں گی
تمہارے بِن کیسی زندگی ہے
بنا تمہارے بھی زندگی ہے؟

شہرِ بدگمانی

دستک یہ کیسی ہے
آج پھر ساعت پر
وسوسوں کی بارش میں
سرد سے تعلق کا
بے ثمر سا لمحہ ہے
ناؤ میری کاغذ کی

آج مجھ کو پھر شاید
اس یقیں سمندر کے
پار لے کے جائے گی
شہرِ بدگمانی کے
آخری کنارے پر
وقت سے گرا لمحہ
کہہ رہا ہے چپکے سے
اب کسی کا تم جاناں
اعتبار مت کرنا
انتظار مت کرنا
اپنی عمرِ رفتہ کو
اب شمار مت کرنا
اعتبار مت کرنا

خواب گر

خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں
زخمی احساس سے کچھ رنگ چُنے ہیں میں نے
اِک دھنک رنگ سے محفل ہے سجائی میں نے
کومل احساس کی دُنیا ہے بسائی میں نے
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں نے

❀❀❀

کتنا مشکل ہے تخیل کو سجائے رکھنا
خواب بونا کبھی تعبیر اُٹھائے رکھنا
ذوقِ شب کے اندھیروں کو منانے کیلئے
اپنی پلکوں پہ ستاروں کو جگائے رکھنا
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں نے

❀❀❀

خواب تو خواب ہیں بنتے ہیں بکھر جاتے ہیں
کچھ تو بننے سے بھی پہلے ہی بگڑ جاتے ہیں
کوئی آہٹ کوئی دستک بھی نہیں دیتے ہیں
خواب چپ چاپ سے رستے ہی بدل لیتے ہیں
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں

❀❀❀

دشتِ حیرت کی مسافر ہوں ، ندا دو مجھ کو
جسم کی اندھی فصیلوں سے صدا دو مجھ کو
چشمِ حیراں کو حسیں خواب اگر دے نہ سکو
چھین لو نیند مری ، آ کے جگا دو مجھ کو
خواب گر ہوں کہ حسیں خواب بُنے ہیں میں

❀❀❀

کہانی کی تلاش

ہر اِک دہلیز پر پہلا قدم
رکھنے سے پہلے سوچتی ہوں
کہانی اک نئی اب تو شروع ہوگی
یہاں سے بھی تو
کہانی کے سفر کے واسطے کردار آئیں گے
مگر کردار سارے یہ

مکمل بھی کہاں ہوں گے
ہر اِک دہلیز کے اندر
اُدھورے لوگ بستے ہیں
اُدھوری اور پرانی سی کہانی وہ سناتے ہیں
سمجھتے ہی نہیں
دہلیز میں دَر آنے والوں کو
مکمل اور پوری اک کہانی کی ضرورت ہے
بہت مجبور سے کردار ہوتے ہیں کبھی شاید
اُدھوری ہر ضرورت
جو کبھی پوری نہیں ہوتی
ہر اِک انسان کو اکثر
اُدھورا چھوڑ دیتی ہے
وہ خود تکمیل کی خواہش میں
آگے چلتے رہتے ہیں
نہیں کردار جب پورے
کہانی کیسے پوری ہو
ہر اِک دہلیز سے باہر
اُدھوری لوٹ آتی ہے
اُدھوری اک کہانی میں بھی
دُنیا کو سناتی ہوں
پھر اپنے روز وشب میں کھو کے
سب کچھ بھول جاتی ہوں

دھرتی ماں کی کروٹ

دھرتی تو ماں تھی کس لئے حد سے گزر گئی
جھٹکوں سے آشیاں گرے، جنت بکھر گئی
شدت سے ماں نے جکڑا ہے بانہوں میں اس طرح
اولاد ساری اُس کی محبت سے ڈر گئی
بچے جوان بچیاں کیا اس پہ بوجھ تھیں
ہر زندگی کو موت کے یہ نام کر گئی
شفاف جھرنے بہتے ہوئے پانیوں کو ماں
انساں کے بہتے خون کے دریا سے بھر گئی
مدت سے سیدھی لیٹی تھی کروٹ جو لی ذرا
بچوں پہ اُس کے کیسی قیامت گزر گئی
سارے تو تیرے اپنے تھے جاں سے گزر گئے
لاعلم رہ کے تو نے جو کرنا تھا کر گئی

شفاف جھرنے بہتے ہوئے پانیوں کو ماں
انساں کے بہتے خون کے دریا سے بھر گئی
مدت سے سیدھی لیٹی تھی کروٹ جو لی ذرا
بچوں پہ اُس کے کیسی قیامت گزر گئی
سارے تو تیرے اپنے تھے جاں سے گزر گئے
لاعلم رہ کے تو نے جو کرنا تھا کر گئی

ایک سوچ

جم گیا اپنا لہو کھو گئی بینائی بھی
بڑھ گئی تیرہ شبی کم ہوئی بینائی بھی
باندھ کے رُخت سفر رات سے ڈرنا کیسا
ہمسفر بعد ترے گرنا سنبھلنا کیسا
اب تو سوچا نئے انداز سے جینا ہوگا
ہجر کا زہر ہمیں ہنس کے ہی پینا ہوگا
پھر سماعت پہ مرے ایک ہوئی ہے دستک
چل پڑی بادِ صبا لے کے نوید منزل
کیسا احساس ہے یہ جسم مرا بھیگ گیا
رُوح خوابیدہ مری جاگ اُٹھی ہے پھر سے
ایسا لگتا ہے سوال اُس نے سنا ہے میرا
اور جواب اِس کا مجھے جلد ہی مل جائے گا
زندگی تجھ پہ بھی پھر نُور کی بارش ہوگی

صفحہ کا پرنٹ نہیں نکالنا ہے کینسل شدہ صفحہ ہے

پھر سماعت پہ مرے ایک ہوئی ہے دستک
چل پڑی بادِ صبا لے کے نوید منزل
کیسا احساس ہے یہ جسم مرا بھیگ گیا
رُوح خوابیدہ مری جاگ اُٹھی ہے پھر سے
ایسا لگتا ہے سوال اُس نے سنا ہے میرا
اور جواب اِس کا مجھے جلد ہی مل جائے گا
زندگی تجھ پہ بھی پھر نُور کی بارش ہوگی

خاموشی کی آواز

تن من میں اِک آگ لگی ہے
چاروں جانب فضا میں ایک عجب سی خاموشی ہے
یادوں کے آنگن میں ہر سُو
پھول کھلے ہیں
داغ جلے ہیں
سارے منتر پڑھ بیٹھی ہوں

شاید تتلی، جگنو، خوشبو
میرا بھی جیون مہکائیں
ماتھے پر چندن چمکائیں
رستے سارے، بند پڑے ہیں
سانپوں کی پھنکاریں ہی بس اب
جاگ رہی ہیں
میرے آگے بڑھتے قدموں کی
زنجیریں عزم بنی ہیں
چھن چھن کرتی زنجیروں کے ساتھ میں چل کر
خاموشی کو توڑنا چاہوں
کون ہے جو اِس نادیدہ کے
رستے کھولے گا اب
ہولے ہولے کچھ بولے گا اور
جیون میں امرت گھولے گا

گماں کا جادونگر

گماں کے جادونگر سے آگے
یقیں کی دہلیز پر کھڑی ہوں
قدم بڑھاتی ہوں سوچتی ہوں
میں آگے جاؤں یا پیچھے آؤں
اگر یہ دہلیز پار کرلوں
تو ایسی صورت بھی ہوگی ممکن
جو بے یقینی کو ختم کر کے
یقینِ کامل بنا سکے گی
نشان منزل کے سب مٹا کر
نیا ٹھکانہ بتا سکے گی
گماں کی دہلیز پار کر کے
یقینِ کامل بنا سکے گی

نو پرنٹ آئوٹ دیں

جو بے یقینی کو ختم کر کے
یقینِ کامل بنا سکے گی
نشان منزل کے سب مٹا کر
نیا ٹھکانہ بتا سکے گی
گماں کی دہلیز پار کر کے
یقینِ کامل بنا سکے گی

بھلانا اتنا مشکل ہے

ہمیشہ یہ سمجھتے تھے
تمہیں پانا تمہیں ملنا
بہت ہی کارِ دشوار ہے
تمہیں پانا تو آساں تھا
مگر اب پھر دوبارہ ڈھونڈنا
بھی کتنا مشکل ہے

کوئی جھوٹی تسلی لوٹ آنے کی
کبھی نہ دے سکو گے جو
بس اتنا سوچ کر دل ڈوبتا ہے اب
میں زیرِ لب یہ خود سے کہہ رہی ہوں کہ
تمہیں دل سے بھلانا مشکل ہے
ملال اِس کا منانا کتنا مشکل ہے
کڑی لمبی مسافت سے مسافر تو نہیں ڈرتا
مگر ہمت بے ٹوٹی ہمسفر جب کھو گیا ہے
رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے زہرِ خاموشی
مجھے تنہائیوں نے ڈس لیا ہے
ہیں پاؤں اب ہوا میں پر مجھے آگے تو جانا ہے
دکھا دے گر کہیں کوئی نیا رستہ بنا ہے
اب مجھے مشکلوں کا ڈر ہے اور کب چلنا ہوا مشکل
تمہارے عشق کا رستہ تو میں نے خود چنا ہے
آج لگتا ہے اکیلے پن کے لمحوں میں
کہ میں نے گہرے سناٹے میں دھڑکن کو سنا ہے
اِک عجب سا وسوسہ شہناز کو گھیرے ہوئے ہے
اور اُسے اپنے نہ ہونے کا گماں ہونے لگا ہے

خودکش حملوں کو دیکھ کر

کیا وقت مجھے دکھلاتا ہے
دن رات مجھے رلواتا ہے
کیا ہوگا میرے دیس کا اب
یہ خوف مجھے دہلاتا ہے
اِس دیس میں بسنے والوں کے
معصوم سے چہرے کہتے ہیں

یہ سارے چہرے میرے ہیں
اِن میں کچھ ایسے بچے ہیں
جو دُھن کے ایسے پکے ہیں
اِک اپنی جان کے بدلے میں
کتنوں کی جاں یہ لیتے ہیں
پھر آگ بھڑ کنے لگتی ہے
سرخ آندھی چلنے لگتی ہے
اور خون کے دریا بہتے ہیں
جو ظلم کہانی کہتے ہیں
چھن جاتی ہے جب ہر چادر
بہنوں کے گھر لٹ جاتے ہیں
پھر ماتم کرنے مائیں بھی
اِن سڑکوں پر آجاتی ہیں
بستی میں ظالم آتے ہیں
خود اپنے شہر جلاتے ہیں
اِن ہنستے بستے شہروں کو
کھنڈرات بناتے جاتے ہیں
پوچھو اِن ٹھیکیداروں سے
ہتیاروں سے
کیوں موت کو بانٹتے پھرتے ہو

جانوں کا سودا کرتے ہو
بھیجا ہے تمہیں کس دشمن نے
کہنے پہ کس کے مرتے ہو
تم ایسا بھلا کیوں کرتے ہو
تم ساتھ ہمارے رہتے ہو
اور اپنا اپنا کہتے ہو
کیا اپنے ایسا کرتے ہیں
اپنے ہی لوگوں کے خون کو
مٹی میں رُولا کرتے ہیں
سوچو تو ذرا کیا اپنوں کا
یوں خون بہانا اچھا ہے
اپنی تہذیب کے ورثے کو
یوں ملبہ بنانا اچھا ہے
اِک اپنی خاطر لاشوں کے
انبار لگانا اچھا ہے
بتلاؤ تو اِس ظلم سے تم
کیوں جاں کا سودا کرتے ہو
تم اوروں کی نہ بات کرو
کیوں خود کو دھوکہ دیتے ہو
خود اپنی خاطر جیتے ہو

خود اپنی خاطر مرتے ہو
اِک بات تمہیں بتلاؤں میں
اِس قوم کے بچے بچے کا
ہر دعویٰ بالکل سچا ہے
ایمان بھی اُن کا پکا ہے
ایقان بھی اُن کا اچھا ہے
بس سوچ رہے ہیں سب مل کر
اب کیسے آگے جانا ہے اور
اپنا ملک بچانا ہے
میں ماں ہوں مجھ کو کہنا ہے
خاموش مجھے کب رہنا ہے
ظالم ہتیاروں بات سنو
مظلوموں سے نہ ہاتھ کرو
اِس ملک پہ اب تم رحم کرو
نہ دیس کا سینہ زخم کرو
بس رحم کرو بس رحم کرو
یہ دیس ہمارے بڑکھوں کی
چھوٹی سی ایک نشانی ہے
اپنے اجداد کے دیس کی ہم
ہر بستی جا کے بسائیں گے

دُکھ بانٹنے سب کا جائیں گے
دشمن کو مار بھگائیں گے
یہ مٹی اپنی سونا ہے
یہ دیس ہمارا گہنا ہے
یہ دیس ہے تحفہ مالک کا
اِس دیس کو قائم رکھنا ہے
اِس دیس کو قائم رکھنا ہے

ماں

میں ماں ہوں آج کہنا ہے سبھی کچھ برملا مجھ کو
نظر آئے نہ دھرتی ماں پہ کوئی کربلا مجھ کو
خدارا رہ نوردو غور سے پیغام یہ سُن لو
بنا پتوار دریا پار کرنا ہے ابھی تم کو
بہت مدت ہوئی اِک آزمائش تم پہ گزری تھی
جلا کر کشتیاں منزل کی تم نے جستجو کی تھی

چراغ جاں ہتھیلی پہ جلا کر آگے بڑھتے تھے
کفن پہنا کے اپنی لاش کو باہر نکلتے تھے
تمہارے باپ نے اور ماں نے ہر خواہش کو روندا تھا
بنا کر گھر تمہارا تم کو پاکستان سونپا تھا
وہی اے ناخدا اب تک رہے ہیں تم کو حیرت سے
تری جانب نگاہیں اُٹھ رہی ہیں کتنی حیرت سے
تجھے جہد مسلسل کیلئے بخشا تھا یہ جادہ
وفا کرتا ہے کس حد تک سکوں یابی کا تو وعدہ
تُو کیسا ناخدا ہے تو ہی ہمت توڑ بیٹھا ہے
تلاطم خیز موجوں میں سفینہ چھوڑ بیٹھا ہے
میں ماں ہوں، میں تجھے پیچھے کبھی ہٹنے نہیں دوں گی
تو شاہیں ہے ترے بازو کبھی کٹنے نہیں دوں گی
مری ممتا کا جذبہ ہی تجھے اُونچا اُڑائے گا
وطن کا پاسباں تُو ہے زمانے کو بتائے گا
یقیناً تو ہی بیڑے کو تباہی سے بچائے گا
دھنک رنگوں سے اپنی ماں کی صورت کو سجائے گا
سفینہ سونی دھرتی کا بھی اِک دن تو جگائے گا
میں ماں ہوں میں تجھے پیچھے کبھی ہٹنے نہیں دوں گی
تو شاہیں ہے ترے بازو کبھی کٹنے نہیں دوں گی

بابل، پیا، ساس اور ماں

ابھی بابل کے جانے کا مجھے صدمہ نہ بھولا تھا
ابھی تو آنکھ میری نم تھی بابل کی جدائی میں
تمہیں بھی اِس قدر جلدی تھی ہم سب سے بچھڑنے کی
بہت چپ چاپ سے جانے کی دل میں تم نے ٹھانی تھی
ابھی سونے سے پہلے تو تمہیں میں نے کہا تھا یہ
تمہارا گھر سجایا ہے دلہن اُس کو بنایا ہے

پیا جلدی سے آجانا ، بہت ہی تھک گئی ہوں میں
تمہارا وہ عجب لہجہ مجھے جینے نہیں دیتا
سویرے لوٹ آؤں گا یہ ہنس کر تھا کہا تم نے
سحر تم لوٹ تو آئے مگر چل کر نہیں آئے
تمہیں لوگوں نے شانوں پر اُٹھا کر اس سجے گھر میں
عجب انداز سے سب کچھ بتا کر کیوں لٹایا تھا
مجھے کب بھول سکتا ہے تمہارا زرد رُخ چہرہ
جسے لوگوں نے مل کر پھولوں سے سجایا تھا
مری امی نے میرا ہاتھ پھر دھیرے سے پکڑا تھا
مجھے جوشِ محبت سے بھری بانہوں میں جکڑا تھا
نہ جانے فون پر مجھ کو وہ کتنی بار کہتی تھیں
کہ تم کیسی ہو مجھ سے آج ملنے آہی جانا بس
میں چوکیدار سے کہہ دوں گی دروازہ کھلا رکھنا
نہ جانے کس گھڑی بیٹی کو میری یاد آجائے
کہیں ایسا نہ ہو باہر سے آکر وہ پلٹ جائے
وہ مجھ سے روز کہتی تھیں کہ کیسی ہے میری مینا
مری نُعما کا جب بھی فون آئے پیار کرلینا
تم آفس سے پلٹ کر سیدھی اپنے گھر کو آئی ہو
یا مینا کو کلینک سے تم اپنے ساتھ لائی ہو
بتاؤ کھانا تو اچھی طرح دونوں نے کھایا ہے
ذرا یہ بھی بتادو نا کہ تم نے کیا پکایا ہے

تم اپنی گاڑی کے دروازے سارے چیک کر لینا
سنو سونے سے پہلے گیٹ بھی تم بند کر لینا
میں کہتی تھی مری امی ہماری فکر چھوڑو نا
مرے ہمراہ ممتا کی دُعائیں ہیں تو کیا ڈرنا
مجھے اب کام سارا خود ہی تو ہر روز ہے کرنا
پیا کے بعد ساسو ماں بھی اپنے ہوش کھو بیٹھیں
مگر یوں بھی انُہیں میں اور مینا یاد رہتے تھے
وہ دروازے پہ نظریں رکھ کے ہردم منتظر رہتیں
ہمیں پیغام ملتا یہ کہ اماں نے ہے بلوایا
ہم اُن کو دیکھنے کے واسطے دوڑے چلے جاتے
بہت ہی تھوڑی مدت جی سکیں وہ بعد تمہارے
وہ اِک دن یونہی چپکے سے ہمیں بھی چھوڑ کر چل دیں
مری امی نے آ کر پھر لگایا ہم کو سینے سے
وہی معمول تھا اُن کا کہ ٹیلی فون پر اکثر
وہ ہم سے لمحے لمحے کی کہانی روز سنتی تھیں
مری پیاری سی امی ہم سے کتنا پیار کرتی تھیں
بہت ہی حوصلہ تھا اُن میں، دو بیٹے بھی باہر تھے
فقط طارق ہی ہے جس پر وہ اپنی جاں چھڑکتی تھیں
اچانک ایک دن صبح مجھے طارق نے بلوایا
کہاں ہے ڈاکٹر بٹی ذرا نانی کو دیکھے نا
اُٹھا کے جلدی جلدی لے گئے اُن کو کلینک میں

وہ کومے میں تھیں بس وردِ زباں تھا ذکر خالق کا
وہ صبح دمِ اذاں کے وقت ہم کو چھوڑ کر چل دیں
مگر جاتے ہوئے امی نے مجھ سے کب یہ پوچھا تھا
کہ اُن کے بعد کیسے وقت گزرے گا نہ سوچا تھا
وہ اِک لمحہ ہماری یاد سے غافل نہ ہوتی تھیں
دُعائیں مانگتی رہتی تھیں وہ اِک پل بھی نہ سوتی تھیں
یہاں پر بے سکوں ہیں ہم سکوں میں ہوگئی ہیں وہ
سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کیسے سو گئی ہیں وہ
مجھے بابل کے جانے پر بھی سینے سے لگایا تھا
پیا کے چھوڑ جانے پر مجھے یہ ہی بتایا تھا
میں ہوں تیرے لیے تجھ کو ہمیشہ ساتھ رکھوں گی
دُعاؤں میں مگر تجھ کو ہمیشہ ساتھ رکھوں گی
بنا بتلائے چل دیں جانے کیسے رابطہ ہوگا
مجھے ہر روز کیسے فون پر وہ مشورے دیں گی
کہاں پر کھو گئی ہیں کون مجھ کو حوصلہ دے گا
مری امی مجھے آواز دے کر پھر بلاؤ t
مجھے دو حوصلہ سینے سے آکر پھر لگاؤ t
یہ ناممکن ہے لیکن ایک دن واپس تو آؤ t
مجھے دو حوصلہ سینے سے آکر پھر لگاؤ t
گھڑی بھر کو پلٹ کر میری امی آ بھی جاؤ t

سکوتِ دشتِ وحشت سے نکل کر دیکھنا چاہوں
نیا راہبر نئے رستے پہ چل کر دیکھنا چاہوں

کہاں پر لے کے آئی ہے یہ میری آگہی مجھ کو
میں اِس مشکل سفر میں آگے چل کر دیکھنا چاہوں

چھپی ہوگی کہیں کوئی کرن ظلمت کدے میں بھی
میں اپنی چشمِ تر کو پھر سے مَل کر دیکھنا چاہوں

ہزاروں بار چہرے پر نیا چہرہ سجایا ہے
دوبارہ اپنے پیکر کو بدل کر دیکھنا چاہوں

کہیں دہلیز خوداری ، کہیں چوکھٹ انا کی ہے
اُتر کر ایک نئے سانچے میں ڈھل کر دیکھنا چاہوں

پرائی آگ میں جلنے کی لذت خوب ہے لیکن
میں اپنی آگ میں شہنازؔ جل کر دیکھنا چاہوں

مجھے تم سے شکایت تو نہیں ہے
بگڑنا میری عادت تو نہیں ہے

مسلسل عشق میں مَیں مبتلا ہوں
ریاضت ہے یہ چاہت تو نہیں ہے

ترے کہنے پہ ملنے آ گئی ہوں
محبت ہے عنایت تو نہیں ہے

کسی سے کچھ نہ کہنا سب کی سننا
یہ عادت ہے روایت تو نہیں ہے

وہ کیوں خوش فہمیوں میں مبتلا ہے
مجھے اُس کی ضرورت تو نہیں ہے

بہت مشکل ہوا ہے ساتھ رہنا
یہ ہلچل ہے قیامت تو نہیں ہے

اب مسیحا کوئی کرے گا کیا
زخم گہرا ہے یوں بھرے گا کیا

تجھ سے رشتہ عجیب رشتہ ہے
مجھ سے ہوکر جدا مرے گا کیا

خوف تجھ سے مجھے نہیں آتا
کوئی اپنوں سے بھی ڈرے گا کیا

کچھ کمی اب رہی نہیں باقی
کوئی الزام اب دھرے گا کیا

زمیں پر پاؤں رکھنا چاہتی ہوں
ہوا کے سنگ اُڑنا چاہتی ہوں

مری آنکھیں سمندر ہوگئی ہیں
میں سُورج بن کے جلنا چاہتی ہوں

پہنچ جاؤں میں تیرے لامکاں تک
میں تجھ سے بھی تو ملنا چاہتی ہوں

ستارے ، چاند ، خوشبو ساتھ لے کر
میں اُن کے ساتھ چلنا چاہتی ہوں

خود اپنے حوصلے کو آزما کر
میں گر گر کر سنبھلنا چاہتی ہوں

بات کہہ کر مکر گیا ہے وہ
شاید اپنے سے ڈر گیا ہے وہ

اک سبق اُس کو اب سکھانا ہے
آج حد سے گزر گیا ہے وہ

جو بھی چاہے اُسے وہ مل جائے
بعد مدت کے گھر گیا ہے وہ

جس کو جھکنا نہیں گوارا تھا
ایک پل میں بکھر گیا ہے وہ

عکس اُس کا ہے اِس زمانے میں
کیسے کہہ دوں گزر گیا ہے وہ

خود وہ تحفہ ہے عاشقوں کے لئے
سب کے دل میں اُتر گیا ہے وہ

ہمیشہ حوصلہ کرتی رہی ہوں
مکمل دائرہ کرتی رہی ہوں

ہوا کے رُخ پہ مشعل کو جلا کر
نیا اِک تجربہ کرتی رہی ہوں

روابط توڑ دوں سب کچھ بھلا دوں
عجب سا فیصلہ کرتی رہی ہوں

کہیں زد میں کوئی اپنا نہ آئے
نشانہ میں خطا کرتی رہی ہوں

تمہاری سب جفاؤں کو بھلا کر
تمہی سے میں وفا کرتی رہی ہوں

چھپا ہے کوئی میرے جسم وجاں میں
میں اُس سے رابطہ کرتی رہتی ہوں

سبھی مل جل کے اپنا وقت کاٹیں
کچھ ایسا سلسلہ کرتی رہی ہوں

گماں کو میں یقیں کی شکل دے کر
حل اپنا مسئلہ کرتی رہی ہوں

ہمیشہ خیر ہی سب کو ملے بس
خدا سے یہ دُعا کرتی رہی ہوں

یہ اور بات ساتھ ہم شامل نہیں رہے
کچھ ایسے زندگی کے مسائل نہیں رہے

اپنی وجاہتوں پہ ہمیں ناز تھا بہت
ہم خود ہی آئینوں کے مقابل نہیں رہے

دیکھا جو اُن کو سامنے تو گنگ ہوگئے
چند لمحے بھی تو بات کے قابل نہیں رہے

پاؤں جکڑ لئے تھے ہمارے زمین نے
ہم بڑھ کے اُن سے ملنے کے قابل نہیں رہے

میرے جنوں کو شوق کو بھڑکا کے چل دیئے
منزل کے درمیان وہ حائل نہیں رہے

اُس کی طرف سے ہم کو تو سب کچھ عطا ہوا
کیسے یہ کہہ دیں اپنے وسائل نہیں رہے

جنوں ہے، شوق ہے، جذبہ ہے، نامعلوم ڈر بھی ہے
ہوا کی رہگزر پر اپنا اِک چھوٹا سا گھر بھی ہے

دبک کر سہم کر بیٹھی ہے اپنے آشیانے میں
لگی شاہین کی چڑیا کے مسکن پر نظر بھی ہے

ہواؤں اور طوفانوں کے تیور ہم نے دیکھے ہیں
ہمیں اب آزمانا حوصلہ بال و پَر بھی ہے

بھرم رکھتا رہا ہے دوستی کا زخم کھا کر بھی
خبر ہوتے ہوئے نادان اتنا بے خبر بھی ہے

نظر آتے ہیں عاجز یہ تو اپنا ظرف ہے لیکن
سلیقہ زندگی کا بات کرنے کا ہنر بھی ہے

میں کیوں نہ معترف ہوں تیری اِس ذرّہ نوازی کی
مقدر میں مرے لکھی گئی تازہ سحر بھی ہے

بدن میں ایک عجب سی تھکان رکھ دی ہے
پَروں کو باندھ کے اُس میں اُڑان رکھ دی ہے

ستم گزیدہ بھلا کیسے اب گلہ نہ کرے
کہ اُس نے کانٹوں پہ اپنی زبان رکھ دی ہے

وہ اپنے تیر بھلا کیسے آزمائے گا
جب اُس کے سامنے ٹوٹی کمان رکھ دی ہے

نہ جانے کب کوئی طوفان آ کے ٹکرائے
کیوں آشیاں میں پرندوں کی جان رکھ دی ہے

نتیجہ تم ہی نکالو گے حضرتِ ناصح
تمہارے سامنے اِک داستان رکھ دی ہے

غرور کیوں نہ کرے حضرتِ بنی آدم
خدا نے اِس میں نئی آن بان رکھ دی ہے

ہر گھڑی کیسے بدل لیتا ہے تیور چہرہ
کبھی لگتا ہے سمندر کبھی صحرا چہرہ

وحشتیں میری کسی پر بھی عیاں ہوں کیسے
ڈر کو میرے تو چھپا لیتا ہے اکثر چہرہ

سامنے پا کے تمہیں کچھ بھی نہیں بولوں گی
پھر چھپالے گا مری ذات کا منظر چہرہ

سرد چہرے میں نظر آتا نہیں کچھ بھی مجھے
اور پھر آج مجھے کر گیا بے گھر چہرہ

دیکھ کر جس کو رمق جینے کی پھر جاگ اُٹھے
اے خدا مجھ کو دکھا ایسا منور چہرہ

آئینوں میں حیرتیں بن کر اُترتا کون تھا
اِک سراپا میرے جیسا میرے گھر میں کون تھا

مدتوں تک سایہ بن کر ساتھ وہ میرے رہا
خامشی میں وحشتوں میں میرا محور کون تھا

غیر کا آنا مجھے اچھا نہیں لگتا کبھی
میری تنہائی کا ساتھی مجھ سے بہتر کون تھا

دشمنوں میں بھی محبت بانٹتا رہتا تھا وہ
ناخدا بن کر رہا اُس کے برابر کون تھا

خود کلامی کی عجب عادت سی مجھ کو ہوگئی
تھا مخاطب مجھ سے ہر پل میرے اندر کون تھا

دُور تک ہے سناٹا کیوں ملا نہیں کوئی
ساتھ میرے سایہ ہے دوسرا نہیں کوئی

آبلے ہیں پاؤں میں جسم میرا چھلنی ہے
جل رہی ہوں دھوپوں میں آسرا نہیں کوئی

اپنے ہاتھ میں سب کچھ لے لیا ہے لوگوں نے
بے مہار دُنیا کا اب خدا نہیں کوئی

اپنے دل کی دھڑکن ہی سُن رہی ہوں برسوں سے
ٹوٹے کیسے خاموشی ہم نوا نہیں کوئی

تھک گئی ہوں کتنا میں اِس سفر میں جاناں اب
منزلیں نظر میں ہیں راستہ نہیں کوئی

زلزلہ

دھرتی ماں کی کروٹوں کا سب نشانہ ہو گئے
جب زمیں کے سارے تیور ظالمانہ ہو گئے

اپنے اندر کے سفر کو پھینک کر باہر کیا
سب مسافر اِس سفر کا شاخسانہ ہو گئے

گھر سے نکلے ڈھونڈنے کو خواب کی تعبیر سب
خواب اُن کی گردشوں کا ہی ٹھکانہ ہو گئے

کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کچھ سمجھ آیا نہیں
سامنے بس موت کے سب ہی بہانہ ہو گئے

آنکھ جھپکی بھی نہیں سب کچھ بدل کے رہ گیا
ایک پل میں سارے منظر اِک ویرانہ ہو گئے

کیسے اُن کی یاد میں ہر آنکھ ہے نم ناک آج
وہ جو اب شہنازؔ اِک گزرا زمانہ ہو گئے

غیر نے اپنا لیا اُن کی وفا کیسی رہی
دوستوں نے پھریں آنکھیں یہ سزا کیسی رہی

تم ہوا کے رُخ پہ بھی چلنے سے گھبراتے نہیں
اے چراغِ آرزو تازہ ہوا کیسی رہی

دشمنوں نے بھی اُٹھا کر ہاتھ دی ہم کو دُعا
دوستو بتلاؤ یہ رسمِ دُعا کیسی رہی

تیرا اپنا ہی سفینہ جب بھنور میں گم ہوا
خود جو کھائی چوٹ میرے ناخدا کیسی رہی

آپ کی عادت تغافل اور دل کو توڑنا
جانِ جاناں آج توہینِ انا کیسی رہی

دشمن کو غیر جان کے ارزاں نہیں کیا
یہ اور بات خود کو نمایاں نہیں کیا

عادی سے ہو گئے ہیں خزاں رُت کے اِس طرح
مدت سے ہم نے جشنِ بہاراں نہیں کیا

یادوں کے جگنوؤں سے ملی ہم کو روشنی
تیرے بغیر گھر میں چراغاں نہیں کیا

پھیلی ہوئی ہے ہرسُو محبت کی روشنی
مہکے ہوئے چمن کو بیاباں نہیں کیا

گردش کسی کی تھوڑی سی کم ہو سکے ذرا
اتنا کرم بھی گردشِ دوراں نہیں کیا

ہر ہر قدم پہ ایک رکاوٹ کھڑی رہی
میرے سفر کو کس لئے آساں نہیں کیا

جاتے ہوئے کہا بھی نہیں کب ملیں گے ہم
تم نے تو مجھ پہ اتنا بھی احساں نہیں کیا

شہناز میں ہے ضبط کا بھی حوصلہ بہت
جذبوں کی سرد لہر کو طوفاں نہیں کیا

اک سفر اور کر کے دیکھتے ہیں
دل میں اُن کے اُتر کے دیکھتے ہیں

گردشِ وقت نے کہا کیسے
آبلہ پا ٹھہر کے دیکھتے ہیں

پھول نازک ہیں میرے دل سے کیا
پاؤں کانٹوں پہ دھر کے دیکھتے ہیں

تم کو دعویٰ ہے عشق کا ہم سے
آج ہم تم پہ مر کے دیکھتے ہیں

ہم تو عاشق ہیں ، ہم قلندر ہیں
کیوں زمانے کو ڈر کے دیکھتے ہیں

دل میں بھی آپ کو چھپا لیں گے
پہلے آنکھوں میں بھر کے دیکھتے ہیں

اپنی ذات کو اپنے اندر اپنے آپ سمیٹا میں نے
کیا بتلاؤں بھول کے خود کو کیا کھویا کیا پایا میں نے

پھول ہیں رقصاں مست ہوائیں اور گھٹائیں پاگل
گھائل کیوں کرتے ہیں منظر اک دن بیٹھ کے سوچا میں نے

گتھی کوئی بھی نہ سلجھی پھنس گئے پچھلے جال میں آ کر
بھول بھلیوں کے ہی اندر ڈھونڈ لیا پھر رستہ میں نے

اندر کی دُنیا میں کھو کر ایک عجب سی مستی پائی
دُنیا تو اِک کلجگ ہے ،یہ باہر آ کر دیکھا میں نے

مکر و فریب کی دُنیا سے پھر ناتہ میں نے توڑ لیا تھا
لفظوں کے بہروپ سے جانے کیسے دھوکا کھایا میں نے

آس بڑی تھی دُھوپ کڑی تھی ،منزل سے میں دُور کھڑی تھی
آگے اور نکل جانے سے اپنے آپ کو روکا میں نے

کھو گئے وقت کی اِس دوڑ میں کچھ کب پایا
اپنے سے دُور ہوا کس لئے اپنا سایہ

ایک مجنوں ہے لئے جاتا ہے بس نام ترا
دیکھ لے کیسا تجھے چاہنے والا آیا

غیر سے کیسا گلہ خود پہ بھروسہ کب ہے
بارہا ایسا ہوا خود سے بھی دھوکا کھایا

دمِ فرقت کوئی غم خوار نہیں ساتھ مرے
چارہ گر یہ تو بتا وقت یہ کیسا آیا

روشنی تیرے مقدر میں لکھی ہے شہناؔز
اِک ندا غیب سے یہ صبح کا اُجالا لایا

بنا کے گردشِ دوراں جو انتہا کی تھی
مرے خدا نے محبت کی ابتدا کی تھی

تماشا دیکھتی رہتی ہوں کچھ نہیں کہتی
بھلا تو اُس نے دیا، میں نے تو وفا کی تھی

کبھی نہ بچوں کو میرے کوئی بھی غم دینا
اُٹھا کے ہاتھ یہی میں نے بس دُعا کی تھی

میں روز تجھ سے طلب گار تھی معافی کی
سزا جو مجھ کو ملی کونسی خطا کی تھی

دل میرا پھر سے ہے پاگل آج اِک مدت کے بعد
آنکھ میں پھیلا ہے کاجل اِک مدت کے بعد

ہلکی پھلکی ہو کے اُڑتی پھر رہی ہوں آج میں
ٹوٹ کے برسے ہیں بادل آج اِک مدت کے بعد

ان بہاروں میں پکارا ہے کسی نے پیار سے
ہوگیا احساسِ صندل آج اِک مدت کے بعد

دید کی شمعیں فروزاں ہوگئی ہیں آج پھر
لوٹ کر آیا ہے سانول آج اِک مدت کے بعد

چاندنی ہے، خوشبوئیں ہیں،رُت جگوں کا ہے سماں
ہر طرف لہرائے آنچل آج اِک مدت کے بعد

گھنٹیاں سی بج رہی ہیں ، رقص میں ہے کائنات
دل میں یہ کیسی ہے ہلچل آج اِک مدت کے بعد

اِک زمانے بعد دُنیا کیوں مجھے اچھی لگی
دُور ہے اُلجھن کی دلدل آج اِک مدت کے بعد

تتلیوں کلیوں کو دیکھا تو سکوں سا مل گیا
ہوگئی ہوں پھر مکمل آج ایک مدت کے بعد

اُدھورے خواب کی تعبیر بھی لکھی گئی ہے
نئی تعمیر کی بنیاد کیوں رکھی گئی ہے

عمل ہونے سے پہلے بے عمل ہونے لگی ہے
بدلتی سوچ بھی تو اس قدر پرکھی گئی ہے

بہت مدت سے تجھ کو ڈھونڈتے ہیں پا بجولاں
کہ اپنے درمیاں دیوار اک رکھی گئی ہے

نظر کے سامنے سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے
ہے کڑوا سچ کہ ایسی بے بسی دیکھی گئی ہے

نظر انداز ہم کو کر رہے ہیں وہ مسلسل
ہمارے ساتھ کیسی برہمی برتی گئی ہے

نہیں ممکن تصور سے ہو اُس کا ذہن خالی
مسلسل اُس کا پیچھا یہ نظر کرتی رہی ہے

وہ ہے سقراط نہ سقراط کے ثانی جیسا
زہر بھی دیتا ہے تو لگتا ہے پانی جیسا

اِک جگہ رہنے سے اُکتا سے گئے ہیں اب تو
کوئی بن جائے سبب نقل مکانی جیسا

اُس کی کوئی بھی ادا دل پہ گراں کب گزری
زخم بھی لگتا ہے اب اُس کی نشانی جیسا

آج کل سب ہی بنے پھرتے ہیں شاعر لیکن
کوئی دکھلاؤ کہیں میرؔ یا فانیؔ جیسا

لفظ کچھ تلخ سہی اس کے لئے کیا کہیے
لہجہ رکھتا ہے وہ دریا کی روانی جیسا

آس جینے کی کیوں دلاتے ہو
مجھ کو ہر روز آزماتے ہو

ہنستے ہنستے ہی زندہ رہنے دو
یاد میں اپنی کیوں رُلاتے ہو

حوصلہ خوب ہے تمہارا بھی
آندھیوں میں دِیئے جلاتے ہو

جاگتی آنکھوں کو خواب دکھلا کر
زخمی احساس کو جگاتے ہو

منتظر ہیں تمہارے ہم اور تم
وعدہ کرتے ہو اور بھول جاتے ہو

مانتے ہیں یہ ہم کہ اِس دل کی
اُجڑی بستی تمہی بساتے ہو

آزما پھر سے ایک بار ذرا
اِک نیا نقش تو اُبھار ذرا

چھوڑ دیں گے سفینہ لہروں میں
ناخدا پر ہو اعتبار ذرا

کیا سے کیا ہوگئی ہوں تیرے بعد
دیکھ جا آکے ایک بار ذرا

درد کو بانٹ کچھ سکوں تو ملے
میں بھی دیکھوں نا تیرا پیار ذرا

تو تُو کہتا ہے ساتھ ہے میرے
اب گھٹا جبر کا حصار ذرا

یہ تپش پھیلتی ہی جاتی ہے
کر دے آنگن کو سایہ دار ذرا

کتنی بے کیف ہے یہ زرد فضا
پھر دکھا دے رُخِ بہار ذرا

بادل سونی دھرتی پر اب گرجیں گے اور برسیں گے
ڈوب گیا جب شہر ہی سارا باہر کیسے نکلیں گے

ضدی خود سر لوگ یہاں کے کس کس کی تم مانو گے
پتھر بن کر بیٹھے ہیں جو کیسے اب وہ پگھلیں گے

پیالہ پی کر عشق کا ہم نے کچھ کرنے کی ٹھانی ہے
چھپ کر بیٹھا ہے جو اُوپر اُس کو جا کر دیکھیں گے

خالی اِس کشکول کو بھرنا اُس کی ذمہ داری ہے
حصہ تو ہے اِس کے علاوہ اور بہت کچھ مانگیں گے

ٹوٹ گئے ہیں ایسے اب ہم ایک رمق بس باقی ہے
اپنی ذات کے ملبے سے ہم خود ہی کیسے نکلیں گے

اُن کے نیچے لوگ ہیں جتنے سارے ہی وہ کمتر ہیں
اکڑی گردن والوں کی اِس سوچ کو کیسے بدلیں گے

ساکن ہے اب بادِ صبا بھی ایک جمود سا طاری ہے
ساکت جھیل میں ہم بھی اب تو پھینک کے پتھر دیکھیں گے

ہوا خاموش تھی اور پھول جھڑ گئے کیسے
تھا جن سے رشتہ وہ یکدم بچھڑ گئے کیسے

بہت ہی دُور تلک کوئی بھی نظر میں نہیں
ذرا بتاؤ تو میلے اُجڑ گئے کیسے

مزاج سب کا تو اپنی طرح نہیں ہوتا
ذرا سی بات پہ ساتھی بگڑ گئے کیسے

رفو گری کا سلیقہ تو ہم نے سیکھا ہے
پرانے زخموں کے ٹانکے اُدھڑ گئے کیسے

اِک آشیانہ بنایا تھا جن کے سائے میں
وہ سائبان بنے تھے اُکھڑ گئے کیسے

کبھی نہ چاہا تھا جس سمت میں سفر کرنا
ہم ایسے راستے پر آج پڑ گئے کیسے

اُٹھایا جاتا نہیں ایک بھی قدم آگے
ہمارے پاؤں زمیں میں ہیں گڑ گئے کیسے

عمر بھر یہ ہی سلسلہ دیکھا
اپنے سے کب تجھے جدا دیکھا

کھو گیا جب پکارنے والا
آپ ہی اپنا راستہ دیکھا

ہم بھنور میں گھرے رہے لیکن
کب ترے بعد ناخدا دیکھا

دُوریاں کب مجھے گوارا تھیں
کیسے میں نے یہ فاصلہ دیکھا

محوِ حیرت کو مل گیا سب کچھ
تجھ کو پایا جو آئینہ دیکھا

مجھے ، ہر ہر قدم پہ ٹوکتی ہے
یہ میں ہوں اور مری دیوانگی ہے

دل و جاں سے میں اُن کی منتظر ہوں
محبت ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے

جسے دیکھے بنا پوجا ہے میں نے
یہ کتنی خوبصورت آگہی ہے

مجھے تنہائیوں نے ڈس لیا ہے
یوں چپ رہنے کی عادت ہوگئی ہے

بنا رکھا ہے اُن کو جاں کا محور
فنا ہستی نشے میں گھومتی ہے

چلے آؤ کہ یہ منظر ہی بدلے
خزاں تو جان لیوا ہوگئی ہے

بہت ہی خوب ہے اُن کا تکلم
عجب چاہت عجب شائستگی ہے

مجھے کسی سے نہیں خود سے ہی شکایت ہے
خود اپنے آپ میں کھونے کی مجھ کو عادت ہے

جسے بلایا خدا نے اُسے تو جانا ہے
بہت ہی تلخ سہی پر یہ اِک حقیقت ہے

قدم قدم پہ مرے ساتھ چل رہے تھے تم
اکیلا چھوڑ کے جانا بھی کیا محبت ہے

کسی کے جانے پہ رُکنے لگی ہے سانس بھی اب
ہجوم یاس میں چاہت بھی اِک ضرورت ہے

سکون ملتا نہیں دل بھی اب نہیں لگتا
دل و دماغ پہ چھائی یہ کیسی وحشت ہے

سنبھال سکتی نہیں دل کا آئینہ شہنازؔ
شبِ فراق گزرنا بھی اک قیامت ہے

بڑھا کر اُلجھنیں اِک فیصلہ ہونے نہیں دیتا
وہ دُشمن دوست وعدہ بھی وفا ہونے نہیں دیتا

الگ خود بھی وہ رہتا ہے الگ مجھ کو بھی رکھتا ہے
عجب انداز ہے اُس کا جدا ہونے نہیں دیتا

حقیقت جان کر بھی وہ حقیقت سے گریزاں ہے
مٹا دیتا ہے مرکز رابطہ ہونے نہیں دیتا

یقیں کامل ہے اُس کا عشق کا مطلب سمجھتا ہے
گماں میں بھی کسی کو وہ مرا ہونے نہیں دیتا

میں خوش ہوں کہ مجھے وہ آج بھی اپنا سمجھتا ہے
کسی بھی طور توہینِ انا ہونے نہیں دیتا

میں اُس سے روٹھ بھی جاؤں وہ مجھ سے روٹھتا کب ہے
منا لیتا ہے وہ مجھ کو خفا ہونے نہیں دیتا

وہ دُنیا سے الگ ہو کر بھی میرے ساتھ رہتا ہے
زمانے کے خداؤں کو خدا ہونے نہیں دیتا

بعد مدت کے پلٹ کے جو ہے دیکھا خود کو
اپنے سے دُور بہت دُور ہے پایا خود کو

مرحلے ہم پہ محبت میں عجب گزرے ہیں
دن میں بکھرے ہیں تو ہر شام سمیٹا خود کو

حوصلہ ہم میں بہت تھا کے رُکے ہم بھی نہیں
کھو کے منزل کا نشاں پھر بھی ہے ڈھونڈا خود کو

اپنی حالت پہ گماں غیر کا جب ہونے لگا
ہم نے چاہا ہے بہت ٹوٹ کے چاہا خود کو

کیف و مستی میں بہت دُور نکل آئے جب
دشت کے پھیلتے منظر سے نکالا خود کو

عشق نشے سے نکلنے کا مزا اور ہی تھا
اِک نئے کیف میں ڈوبا ہوا پایا خود کو

ہجر کا یہ لمحہ کیوں آج مجھ پر بھاری ہے
پتھروں کے تکیے پہ زندگی گزاری ہے

گرچہ توڑ ڈالا ہے گردشِ زمانہ نے
دیکھنا ہے کیا ہوگا ضرب اتنی کاری ہے

ہم سے چھین کر ساتھی خود پہ بوجھ ڈالا ہے
اپنے کام کرنا اب اُس کی ذمہ داری ہے

جو بھی تو نے مانگا تھا اُس نے تجھ کو دے ڈالا
پھر یہ بے کلی کیسی کیوں یہ بے قراری ہے

یہ گھٹا جو اُٹھی ہے کھل کے اب برس جائے
مدتوں سے رِم جھم کا سلسلہ تو جاری ہے

کون جانے کیا ہوگا آج سوچتے ہیں یہ
اِک عجب سا خوف کیوں اِس فضا پہ طاری ہے

چیخنے کی مری آواز کوئی بھی نہ سنے
رُوح پرواز کرے ایسے پتا بھی نہ چلے

اس قدر گہرا ہے سناٹا مرے چاروں طرف
کوئی تو بات کرو سرد سیاہ رات ڈھلے

اے خدا اتنی گھٹن، اتنی گھٹن اتنی گھٹن
دل کا ہنگامہ ہو کم تب ہی کوئی بات بنے

کوئی تو رستہ نظر آئے مجھے جینے کا
آس کا کوئی تو دیپک میری آنکھوں میں جلے

جاگتی آنکھوں سے میں کیسے تماشا دیکھوں
ناچوں پتلی کی طرح اور مرا بس نہ چلے

لطف دیتی ہیں زمانے کی سُلگتی باتیں
چاہیے دُنیا کو کچھ اور کہے اور کہے

ایک الاؤ جلتا ہے اِک بجھتا ہے
ایسا منظر آنکھوں نے کب دیکھا ہے

کیسی تیز تپش ہے میرے اندر بھی
اِک مدت سے سوچ کا دریا سُوکھا ہے

چلتے چلتے رستہ بھی تھک جاتا ہے
منزل تک پہنچیں گے کب یہ سوچا ہے

اُس کے سحر میں مجھ کو کھویا رہنے دو
خواب ہے لیکن خواب بھی کیسا اچھا ہے

ہستی کے سب تانکے اُدھڑے جاتے ہیں
آخری تانکا ذات کا اُلجھا رہتا ہے

چپکے چپکے اُس سے باتیں کرتی ہوں
چھپ کر اندر کوئی بیٹھا رہتا ہے

مرے نصیب میں لکھی کبھی سحر ہوگی
خود اپنے آپ کی مجھ کو کبھی خبر ہوگی

شبِ فراق ہے اب میری عمر کا حصہ
کوئی بتائے گا یہ کتنی مختصر ہوگی

خموشی اُوڑھ کے بیٹھی ہوں میں سرِ محفل
خموشیوں پہ مری اُس کی کب نظر ہوگی

مسافتوں کی تھکن جسم و جاں میں اُتری ہے
کبھی تو سامنے منزل کی رہگزر ہوگی

مجھے یقین ہے آئے گا ایک دن ایسا
جو کھو گئی ہے محبت وہ ہم سفر ہوگی

زمانہ نکلے گا میری تلاش میں اور پھر
مری یہ ذات ذرا اور معتبر ہوگی

کچھ اور بڑھنے لگی انتظار کی وحشت
سکون لینے نہیں دیتی درد کی شدت

اکیلا کرلیا ہے ہم نے اپنے آپ کو یوں
کسی سے اب تو نہیں ہم کو پیار کی فرصت

ہے اپنے چاروں طرف اِک مہیب سناٹا
کٹے گی کیسے صعوبت بھری شبِ فرقت

اِک آسمان گرا اور ہم سمجھ نہ سکے
کسی بھی بات سے ہوتی نہیں ہے اب وحشت

ہمیں تو رہنے کو گھر چاہیے مکان نہیں
ملا نہ گھر تو مکاں کی نہیں رہی حسرت

✵

رنج و الم میں ڈوب کر کیا حال ہے بنالیا
تجھ سے بچھڑ کے درد کو ہم نے گلے لگالیا

شامِ فراق درد کے سارے چراغ بجھ گئے
آئی جو تیری یاد تو دل کا دیا جلالیا

اُمید میں وصال کے رستے سبھی مٹا دیئے
اُجڑا جو گھر گمان کا یقین سے سجالیا

اپنی نظر میں تُو ہی تھا اور تُو ہی بے مثال تھا
ہم نے جمالِ زیست کا محور تجھے بنالیا

بس تو ہی لازوال تھا حاصل تجھے کمال تھا
بس اِک ترے خیال سے دل کا جہاں بسا لیا

میں کون ہو ، تو کون ہے ، اپنا یہی سوال تھا
جب تو ملا زندگی کا راز ہم نے پالیا

آنسو نہیں بہائیں گے، دُکھ میں بھی مسکرائیں گے
ہم نے فراق و ہجر کا وہ عہد بھی نبھا لیا

لگاؤ گھاؤ نئے چارہ گر کی بات کرو
ہے ضبط مجھ میں بہت ، نوحہ گر کی بات کرو

تمہاری باتوں نے توڑا ہے آئینہ دل کا
ستانا چھوڑو کسی شیشہ گر کی بات کرو

عجب سا لطف ملا آج ٹوٹ پھوٹ میں بھی
جو توڑ پھوڑ دے اُس فتنہ گر کی بات کرو

سنائے گیت بہاروں میں رنگ بھر ڈالے
اُداس ہوں میں کسی نغمہ گر کی بات کرو

کہانیوں سے تو بچپن کی یاد آتی ہے
کھلونے لا دو مجھے قصہ گر کی بات کرو

یقیں کے اور گماں کے درمیاں ہوں
مجھے لگتا ہے شاید بدگماں ہوں

بچالو اپنی آنکھوں کو نمی سے
میں بجھتی آگ سے اُٹھتا دُھواں ہوں

مسافر کتنے آئے کتنے چلے
کسی گم گشتہ منزل کا نشاں ہوں

بہت سے قافلے لے کر چلی ہوں
میں اِک مدت سے میرِ کارواں ہوں

ہمہ تن گوش کیوں ہیں اہلِ محفل
کوئی قصہ ہوں ، کوئی داستاں ہوں

کنارے تک کبھی پہنچیں نہ پہنچیں
نئی کشتی کا ٹوٹا بادباں ہوں

مرے سائے میں کیسے رہ سکو گے
پگھلتے موم کا اِک سائباں ہوں

خدا جانے رسائی ہو کہاں تک
میں ٹوٹے دل سے نکلی اِک فغاں ہوں

مجھے تم اِس قدر ناداں نہ سمجھو
زمیں زادی ہوں لیکن آسماں ہوں

ہوا میں مجھ کو اُڑنا آگیا ہے
فضاؤں میں ٹھہرنا آگیا ہے

مجھے شعلوں پہ چلنا آگیا ہے
میں پتھر تھی ، پگھلنا آگیا ہے

دلِ وحشی کو اب کیسے سنبھالوں
اسے تو بس مچلنا آگیا ہے

ہوں مقروض اَنا بے بس نہیں ہوں
مجھے گر کر سنبھلنا آگیا ہے

زمانے نے سکھایا ہے بہت کچھ
ہر اک سانچے میں ڈھلنا آگیا ہے

ضرورت ہی نہیں اب تو کسی کی
مجھے خود ہی بہلنا آگیا ہے

کوئی اچھی غزل تخلیق کر دے
تخیل کو سجانا آگیا ہے

دوستی کا جنہیں احساس دلایا جائے
ایسے رشتے کو بھلا کیسے نبھایا جائے

بے ثمر ہونے لگیں بستیاں پھر سے
پیار کا پودا ذرا پھر سے لگایا جائے

کوئی خوشبو نہیں، تتلی بھی نہیں، گل بھی نہیں
سبز موسم کو ذرا ڈھونڈ کے لایا جائے

کوئی اِس دُکھ کو، اذیت کو سمجھتا کب ہے
داغ سینے کا بھلا کس کو دکھایا جائے

ہے عجب کھیل یہ ہر روز کا جینا مرنا
میں اگر حرفِ غلط ہوں تو مٹایا جائے

دل جلا رکھا ہے آندھی میں مسافر کیلئے
ایسے طوفاں میں دیا کیسے جلایا جائے

دستکیں شب بھر ہوا دیتی رہی
شمع لیکن رات بھر جلتی رہی

بدلیوں کی اُوٹ میں تھا چاند بھی
جانے کیا کیا چاندنی کہتی رہی

شب پہ کیا گزری کسے معلوم ہے
صبح تارے اُوڑھ کر سوتی رہی

پھول سے بھنوروں کی سُن کر داستاں
رات بھر شبنم یونہی روتی رہی

چُن کے تتلی پھول کی کچھ پتیاں
خوشبوؤں سے باوضو ہوتی رہی

اِک شکست خوردہ کی آؤ بے بسی دیکھو
اِس ہنسی کے پیچھے تم آنکھ میں نمی دیکھو

اِک عجیب کلفت ہے، کیسی ظلمتِ شب ہے
تیرگی ہو جس سے کم ایسی روشنی دیکھو

دُور کردو شکوے سب، رنجشیں بھلا بھی دو
دوستی کے پردے میں، اب نہ دشمنی دیکھو

خود کو بھول کر کب سے ہو گئے تھے مجنوں سے
اب جنوں سے نکلو بھی کیفِ آگہی دیکھو

آنے والا ہر لمحہ اِک نوید دلاتا ہے
اِس طرح سے سوچو تم ایسی زندگی دیکھو

ماں تو بس محبت ہے تم کو سوچنا ہے یہ
ہو نہ ہو جائے چاہت میں اِس کے کچھ کمی دیکھو

جلا کر اِک دیا رکھا ہوا ہے
کسی طوفان سے سودا ہوا ہے

بہت مدت سے اِک میرا سندیسہ
ہوا کے ہاتھ پر لکھا ہوا ہے

ہمیں اِس حال میں پہچان لو گے
یہ مت کہنا کہیں دیکھا ہوا ہے

کبھی فرصت ملے تو آ کے ملنا
وفا کا قرض اِک رکھا ہوا ہے

چلو چھوڑو کوئی الزام مت دو
نہ جانے کس نے کیا سوچا ہوا ہے

تمہیں بھی علم ہو جائے گا جلدی
کسی نے کس کو کیا بیچا ہوا ہے

وہ دستک بھی تمہاری سُن رہا ہے
جو اُوپر ہے وہ کب سویا ہوا ہے

بھلا ہو تتلیوں کے پیرہن کا
فضا کا رنگ کچھ بدلا ہوا ہے

تمہارے در پہ کیوں سر کو جھکائیں
کیوں اپنے آپ کو خدا سمجھا ہوا ہے

نئی تعبیر بنتے جا رہے ہو
ادھورا خواب کب پورا ہوا ہے

مجھے اب کیسے سوچا جا رہا ہے
پسِ دیوار لکھا جا رہا ہے

تلاشِ یار میں نکلے ہو شاید
یہاں انسان بیچا جا رہا ہے

نمو کی رُت سے کہہ دو اب نہ آئے
فنا کا بیج بویا جا رہا ہے

ہتھیلی پر سجا لائے ہیں جاں کو
بڑی حیرت سے دیکھا جا رہا ہے

عدالت اِس طرح سے کیوں لگی ہے
مجھے کیوں ایسے سمجھا جا رہا ہے

میں شاید مصر کے بازار میں ہوں
مجھے بے دام بیچا جا رہا ہے

اُبھر کر ڈوب جانا چاہتے ہیں
تجھے پالیں بہانہ چاہتے ہیں

گھٹن اِس حبس موسم میں بہت ہے
نیا طوفاں اُٹھانا چاہتے ہیں

اُجالا ہو ذرا ظلمت کدے میں
چراغ دل جلانا چاہتے ہیں

اِسے یادوں کا ہم حصہ بنا کر
نہ جانے کیا بھلانا چاہتے ہیں

مقابل ہم بھی اِس دنیا کے آکر
مقدر آزمانا چاہتے ہیں

نظر اپنی لگی ہے آسماں پر
جو کھویا تھا وہ پانا چاہتے ہیں

ادب کے نام پر کچھ لوگ اکثر
فقط شہرت کمانا چاہتے ہیں

کبھی بھی جو کسی نے نہ کیا ہو
وہ ہم کر کے دکھانا چاہتے ہیں

زمانہ یاد رکھے مدتوں تک
یہاں سے ایسے جانا چاہتے ہیں

موذّن ہر طرف میرے ہوا ہو
وہ در وہ آستانہ چاہتے ہیں

ذہن دریچے آ کر کون سجا جاتا ہے
پیار کے دیپک آ کر کون جلا جاتا ہے

مہک رہے ہیں گھر آنگن میں یاد کے غنچے
کھلتی کلیاں آ کر کون بچھا جاتا ہے

خوش ہونے پر آنکھیں کیسے بھر آتی ہیں
ہنستے ہنستے آ کر کون رُلا جاتا ہے

تنہائی، سناٹا میرے سنگی ساتھی
خود سے رُوٹھوں آ کر کون منا جاتا ہے

سپنے خود ہی آنکھوں میں بس جاتے ہیں
تعبیریں پھر آ کر کون دکھا جاتا ہے

کھیل کھلونے دیکھ کے دل کیوں مچلا اب
بچہ اندر آ کر کون جگا جاتا ہے

بیٹھی ہے جو چاند میں بڑھیا مدت سے
چرخہ کاتنا آ کر کون سکھا جاتا ہے

ڈوب کے اندر اُس کو میں نے پہچانا
میرا ہے وہ آ کر کون بتا جاتا ہے

کب ملا کس کو ملا ژرف نگاہی کا صلہ
جس کو جو کچھ بھی ملا ، اُس کے توسط سے ملا

ہے تری اتنی عطا اتنی عطا ، اتنی عطا
دینے والے نے دیا مانگے بِنا سب نے لیا

ایک احساسِ تشکر نے مجھے گھیر لیا
مجھ کو تجھ سے تو نہیں کوئی مگر خود سے گلہ

خود کو ڈھونڈا ہے بہت کھویا بہت کچھ نہ ملا
پابجولاں میں بھٹکتی ہوں ملے تیرا پتا

کس لئے آئی ہوں اور کس لیے تو نے بھیجا
بے یقینی میں یقیں کو ترا محور سمجھا

کس جگہ پہنچی ہے اب مجھے شہناز بتا
راستہ اُس نے تو منزل کا دیا تجھ کو بتا

کبھی منزلیں بدلنا کبھی راستوں میں آنا
کبھی دوستی نبھانا کبھی دشمنوں میں آنا

ذرا تھوڑا غور کرنا ہمیں چھوڑنے سے پہلے
کبھی نفرتیں پرکھنا ، کبھی چاہتوں میں آنا

مری خواہشوں کی مسند پڑی مدتوں سے خالی
کبھی خواب ہی دکھانا کبھی رتجگوں میں آنا

یہ سفر محبتوں کے کبھی طے ہوئے اکیلے
کبھی ساتھ ساتھ چلنا کبھی منزلوں میں آنا

مرا ہمسفر اچانک کیوں بچھڑ گیا ہے مجھ سے
کبھی دیکھنا میں چاہوں کبھی آئینوں میں آنا

ہے دریدہ جسم سارا پڑے پاؤں میں ہیں چھالے
کبھی مرہموں کی صورت مرے آنگنوں میں آنا

دیدہ نم کو مرے اور بھی بینائی دے
تجھ سے کچھ بات کروں گوشۂ تنہائی دے

دل کے آئینے میں جھانکوں تو نظر تو آئے
شوق کو میرے بڑھا ، ذوقِ تماشائی دے

شوقِ دیدار نے اب جینا کیا ہے مشکل
در پہ آئی ہوں ترے مجھ کو پذیرائی دے

کون سی سمت چلوں پاس ترے جا پہنچوں
محورِ زیست بنا بادیہ پیمائی دے

سات پردوں میں چھپا رہنا بھی اچھا تو نہیں
تُو نہاں کیوں ہے عیاں ہو کے شناسائی دے

ذرّے ذرّے میں نظر آتے ہیں جلوے تیرے
مجھ کو ہر شے میں دکھائی رُخِ زیبائی دے

ہم سے مت کوئی رابطہ رکھنا
ایک تھوڑا سا فاصلہ رکھنا

تم کو عادت ہے رُوٹھ جانے کی
مت تعلق کوئی روا رکھنا

سبز موسم تراشنے کے لئے
زرد موسم سے رابطہ رکھنا

جب بکھر جائیں کرچیاں دل کی
کیوں محبت کا سلسلہ رکھنا

آ گئے ہو تو بیٹھ جاؤ ذرا
رنجشوں کو ذرا چھپا رکھنا

ڈھونڈنا ہم کو اپنی آنکھوں میں
سامنے اپنے آئینہ رکھنا

شام ڈھلنے پہ لوٹ آئیں گے
اِک دیا تم ذرا جلا رکھنا